مولانا مرحوم کی زیارت کا شرف

بدو شعور سے راقم کے کانوں میں جن اکابر اہلِ علم کا نام پڑا اور اُن کی علمی شہرت کا چرچا سُنا، ان میں ایک مولانا اکبر آبادی مرحوم بھی تھے۔ پھر ان کی تصنیفات کے دیکھنے اور "برہان" کے وقتاً فوقتاً مطالعے سے اُن کے ساتھ ارادت مندی بھی ہوگئی، جس میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا رہا اور ان کی زیارت کا شوق دل میں انگڑائیاں لیتا رہا تا آنکہ گزشتہ سال مارچ (۱۹۸۴ء) میں مولانا مرحوم لاہور تشریف لائے تو راقم نے مولانا حامد میاں کے مدرسہ جامعہ مدینہ (کریم پارک لاہور) میں ملاقات کا شرف حاصل کیا، وہاں کچھ دیر اُن کی علمی صحبت سے بھی فیض یابی کا موقعہ ملا۔ اِس ملاقات میں راقم نے حضرت مولانا سے اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ وہ ہمارے ادارے — دارالدعوۃ السلفیۃ کو بھی اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازیں جس میں ایک بہترین علمی لائبریری بھی ہے، مولانا مرحوم نے بڑی خوش دلی سے اِس دعوت کو قبول فرمایا اور دوسرے روز رات کو پروفیسر محمد اسلم صاحب اور مولانا معراج الحق صاحب صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کی معیت میں تشریف لائے۔ افسوس ہے کہ راقم اُس روز پہلے سے طے شدہ پروگرام کی وجہ سے کراچی چلا گیا۔ اور دوسری محفل کی سعادتوں سے محروم رہا۔ تاہم حضرت مولانا حسبِ وعدہ تشریف لائے۔ حضرت الاستاذ المحترم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف سے ملاقات فرمائی، جو چار سال سے بعارضۂ فالج صاحبِ فراش چلے آرہے ہیں اور ادارے کی لائبریری اور دیگر شعبہ جات دیکھے اور بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔

خیال تھا کہ حضرت مولانا پھر کبھی پاکستان تشریف لائیں گے تو دوبارہ اچھی طرح سے انھیں دیکھنے اور اُن سے استفادہ کرنے کی سعادت حاصل ہوگی کیونکہ پہلی

مشرب وفات نمبر

روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

کا مصداق تھی لیکن کسے معلوم تھا کہ وہ اب ایسے سفر پر روانہ ہونے والے ہیں جہاں سے واپسی ممکن ہی نہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دین و ملت کے اس مخلص خادم کو اپنی خاص رحمتوں سے نوازے اور ان کی وفات سے برصغیر پاک و ہند میں جو علمی خلا واقع ہو گیا ہے اُسے پُر فرمائے حقیقت یہ ہے کہ ایسی مخلص، معتدل و متوازن اور بالغ نظر شخصیتیں روز روز پیدا نہیں ہوتیں ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اللهم اغفر له وارحمه وبرد مضجعه واجعل الجنة مثواه

عبدالقادر المازنی ایک اہم شاعر

(ابوسفیان اصلاحی۔ ریسرچ اسکالر شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

مصر تہذیب و تمدن اور علم و ثقافت کا گہوارہ رہا ہے، یہاں بے شمار معروف و مشہور شخصیات پیدا ہوئی ہیں۔ ۲۹۶ھ میں خلیفہ عبداللہ بن محمد نے مصر کو فتح کر کے ۳۵۸ھ میں جامعہ ازہر کی بنیاد ڈال دی تھی، جامعہ ازہر دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی[1] ہے۔ اس یونیورسٹی کے قیام کے سبب وہاں مختلف علوم و فنون میں غیر معمولی ترقی ہوئی، بالخصوص عربی زبان و ادب کے ارتقا میں اس کا غیر معمولی حصہ رہا ہے۔ ہر دور میں یہاں عظیم شعراء، ادباء اور نقاد پیدا ہوتے رہے۔ بیسویں صدی میں جب جدید شاعری کا آغاز ہوا تو مصر جدید شاعری میں پیش پیش رہا۔ طٰہٰ حسین، عباس محمود العقاد، سید قطب شہید، احمد امین، شوقی حافظ ابراہیم، عبدالرحمٰن شکری، ابراہیم ابوشادی، علی محمود طٰہٰ اور ابراہیم عبدالقادر المازنی جدید تاریخ ادب عربی کے روشن باب ہیں، ان میں سے اکثر نے انگریزی اور فرانسیسی ادب کا مطالعہ کیا تھا۔ اس طرح نئے خیالات و احساسات سے عربی ادب کو مالا مال کیا۔ خیالات کے ساتھ ساتھ اسلوب و لہجہ اور طرز

---

[1] احمد حسن الزیات، تاریخ الادب العربی، ص ۲۹۳۔

میں بھی نمایاں تبدیلی آئی۔

[illegible]

اور بیشتر [illegible] ہے، مازنی عقاد کا [illegible] دوست اور [illegible]

"الدیوان" کا علمبردار تھا۔ مازنی جدید خیالات و احساسات کا حامی اور فرسودہ خیالات کا باغی تھا، "الدیوان" کا مقصد ہی یہ تھا کہ ادیب [illegible] کر کے بات نہیں کہہ سکتا، اس کا موجودہ حالات اور تقاضوں سے گہرا رشتہ ہونا چاہیے۔ اس باب میں مازنی، عقاد اور شکری کا نمایاں رول ہے۔

ان تینوں کے علاوہ بھی بہت سے دوسرے ادبا و شعراء نے جدید تقاضوں سے چشم پوشی نہیں کی بلکہ انھوں نے بھی سماج کو موضوع بنایا۔ ان لوگوں نے انگریزی ادب کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ اس طرح انگریزی کے نامور شعراء کے خیالات عربی شاعری میں منتقل ہوئے مثلاً "شکسپیر" "گوئٹے"، ریچرڈ اور بائرن۔ اسی طرح انگریزی ناقدین کے خیالات سے بھی وہ روشناس ہوئے جیسے ہیزلٹ، کولریج اور سانٹ بیف وغیرہ

اس دور کے بہت سے ادب دوست حضرات کا خیال تھا کہ ایک ایسے اسکول کے قیام کی شدید ضرورت ہے جو جدید خیالات و احساسات اور نئی نسل کے تقاضوں کی بھرپور ترجمانی کر سکے جس طرح "مدرسہ تقلید" قدیم ادب کی ترجمانی کرتا ہے، بروقت جامعہ الازہر اور دارالعلوم کے طلبا کو نئی روشنی سے آگاہ کرنا نہایت ضروری ہے۔

جدید اسکول کے قیام میں صرف مازنی، شکری اور عقاد ہی کو فضیلت حاصل نہیں ہے لیکن اتنا ضرور ہے "مدرسۃ الدیوان" کو اس سلسلے میں اولیت حاصل ہے، اس اسکول نے عربی ادب کو ایک نیا رُخ دیا۔ بالخصوص مازنی نے غیر معمولی خدمات انجام دیں مگر جدید تنقیدی مضامین کا سلسلہ اس نے منقطع کر دیا۔ عقاد حقیقی قدامت پرستوں کے خلاف ستیزہ کار رہے۔ عقاد کو جدید شاعری اور تنقید کا امام کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا

بیسویں صدی کے بیشتر شعراء عقاد بیچ اور گروہ طوائف کہلاتے ہیں۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جدید شعراء کے طالبین میں مازنی کا نام سر فہرست ہے، وہ ایک شاعر ناقد اور نثر نگار کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔

۱۸۸۹ء میں ابراہیم عبد القادر مازنی قاہرہ کے صحرائی علاقہ "سنتیتی" میں پیدا ہوا اس نے مذہبی ماحول میں آنکھ کھولی۔ اس کے والد بہت غریب تھے۔ وہ شرع کے بہت پابند تھے۔ مازنی ایک ہی سال کا تھا کہ اس کے والد دنیا سے کوچ کر گئے۔

مازنی نے اپنی تعلیم کا آغاز ابتدائی درجہ سے کیا۔ اس کے بعد درجہ ثانویہ میں آیا۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد طب میں داخلہ لیا لیکن جیسے ہی پوسٹ مارٹم روم میں داخل ہوا بے ہوشی کے عالم میں گر گیا اس کے بعد LAW کرنا چاہا لیکن نصاب راس نہ آئی۔ پھر وہ "مدرسہ معلمین" آیا جہاں عربی ادب کا جم کر مطالعہ کیا۔ ابو الفرج اصفہانی کی "الاغانی"۔ مبرد کی "الکامل" اور ابو القالی کی "الامالی" پر دسترس حاصل کر لی۔ قدیم شاعری اور نثر میں الشریف الرضی، مہیار، ابن رومی اور متنبی کے علاوہ دوسرے شعراء کے کلام کو پڑھا۔ مدرسہ معلمین میں انگریزی ادب پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ چنانچہ وہاں پر اس نے شیلی، کیٹس، شکسپیر، ملٹن، ہیزلٹ، کولرج، سینٹ بیو کو خوب پڑھا ممتاز انگریزی ناقدین ڈیکارٹ، آرنلڈ اور سارتر بٹلے کا بھی اس نے عمیق مطالعہ کیا۔

مازنی کی شاعری اور نثر کو پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس پر دو دور آئے ہیں ایک

لہ عبد العزیز الدسوقی، جماعت ابولو واثرہا فی الشعر الحدیث، جامعۃ الدول العربیہ معہد الدراسات العربیہ العالیہ ص ۶۶۔

لہ الدکتور شوقی ضیف (دوسرا ایڈیشن اضافہ کے ساتھ) الادب العربی المعاصر فی مصر، دار المعارف بمصر ۱۹۶۱ء ص ۲۶۴۔

دورِ قدیم اور دوسرا دورِ جدید جس کا تذکرہ خود مازنی نے اپنی کتاب "ابراہیم الثانی" میں کیا ہے مطالعے سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اپنی شاعری اور نثر کے آئینے میں وہ دو نظر آتا ہے "مدرسہ خدیویہ" اور "مدرسہ سعدیہ" کے طلباء مازنی سے انگریزی پڑھا کرتے تھے انھیں انگریزی شاعری کا درس دیا کرتا تھا۔ اسی دوران اس نے "دارالعلوم" ترک کر دیا تاکہ وہ آزادی سے اپنے خیالات و احساسات کا اظہار کر سکے اور لوگوں تک انھیں پہنچا سکے۔

۱۹۱۱ء میں سعدیہ میں بحیثیت مترجم اس کا تقرر ہو گیا۔ پھر مدرسہ خدیویہ میں جہاں وہ طلباء کے لئے "کلیلہ ودمنہ" کا انگریزی ترجمہ کیا کرتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے سامنے بہت سے انگریز شعراء کا کلام بھی پیش کرتا رہتا تھا۔ اسی اثنا میں اس کی عقاد اور شکری سے ملاقات ہوئی اب اسے اپنے خیالات کے اظہار کا بڑا ہی اچھا موقع فراہم ہو گیا۔ اس نے شکری کے دیوان "ضوء الفجر" پر مقدمہ لکھا تو اس میں حافظ ابراہیم کی شاعری پر تنقید کی جس کی وجہ سے حافظ کے دوست احمد حشمت پاشا جو اس وقت وزیرِ تعلیم تھے اس سے سخت ناراض ہوئے اور دھمکی دی۔ اس کے ردِ عمل میں مازنی سروس سے سبکدوش ہو گیا اور عقاد کے ساتھ بحیثیت استاذ مدرسہ اعدادیہ چلا گیا اور یہیں چار سال کے دوران اس کے دیوان کے دو حصے پہلا ۱۹۱۴ء اور دوسرا ۱۹۱۷ء میں منظرِ عام پر آیا۔[1]

جدید عربی شاعری کا آغاز بارودی سے کیا جاتا ہے لیکن اصلاً جدید شاعری کا تصور وہاں نہیں ملتا، جدید شاعری اپنی پوری شکل میں جماعت "اپولو" اور مدرسۃ "الدیوان"

---

[1] نعمات احمد فواد، ادب المازنی، مطبعۃ دار الفکر بشارع الصحافۃ۔ قاہرہ ۱۹۵۴ء، ص ۵۹
[2] الادب العربی المعاصر فی مصر، الدکتور شوقی ضیف۔ دار المعارف بمصر ۱۹۶۱ء، ص ۲۶

کے ممبران کے یہاں موجود ہے۔عبدالعزیز نے یہ لکھا ہے کہ جدید شاعری کی بنیاد تحریک الدیوان نے ڈالی ہے اور مازنی، عقاد اور شکری نے جدید شاعری کو آگے بڑھایا [1]

عقاد، مازنی اور شکری حافظ اور شوقی سے بالکل مختلف تھے چونکہ ان لوگوں نے انگریزی ادب کا بڑا گہرا مطالعہ کیا تھا اس لئے اُن کے خیالات میں بہت وسعت آگئی تھی، انہیں مغربی ادب پر قدرت حاصل تھی۔ چنانچہ ان کے یہاں غور و فکر کا سلسلہ ملتا ہے یہی وجہ ہے کہ شوقی کے بعد کی نسل ایک دم مختلف نظر آتی ہے [2]

مازنی بحیثیت شاعر ——— مازنی عربی شاعری میں جدت کا حامی ہے اور ایک حد تک اسے کامیابی بھی ملی، وہ روایتی شاعری کا شدید مخالف تھا اس کا کہنا تھا کہ تعمیری شاعری معاشرے سے جدا ہو کر نہیں کی جا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جا بجا رجعت پسند اور روایتی شعراء پر سخت تنقیدیں کرتا ہے۔

مازنی نہ صرف عربی شاعری کا قالب بدلنا چاہتا تھا بلکہ اسے جدید حیثیت اور عصری تقاضوں سے جوڑنا چاہتا تھا۔ اپنے اس کام کو آگے بڑھانے کے لئے شیلی کے دو تین انگریزی دیوان اور الشریف الرضی کے عربی دیوان سے بہت زیادہ استفادہ کیا [3]

مازنی نے جو اشعار ایام شباب میں کہے اس میں رنگینی زیادہ حقیقت کم ہے۔

---

[1] عبدالعزیز الدسوقی، جماعۃ ابولو واثرہا فی الشعر الحدیث، جامعۃ الدول العربیہ معہد الدراسات العربیہ العالیہ ص ۶۶

[2] حوالہ سابق ص ۸۴

[3] نعمات احمد فواد، ادب المازنی، مطبعۃ دار العنا بشارع الصحافۃ بیولاق ۱۹۵۴ء۔ ص ۶۶

جو اشعار اس نے زندگی سے متعلق لکھے ہیں ان میں اصلیت زیادہ ہے، وہ ان میں انگریزی اور عربی شعراء کے خیالات و نظریات بھی پہناتا ہے جس کا اعتراف اس نے مجلہ "الہلال" میں کیا ہے[1]

مازنی کے دیوان میں مختلف موضوعات پر شعر ملتے ہیں۔ وہ اپنے اچھے دنوں کی ... پریشانیوں اور ذاتی تجربات بیان کرتا ہے۔ ان کے علاوہ احباب کی رفاقت ... دنیا اور حسن وجمال کی داستان سرائی بھی کرتا ہے۔

بالعموم مازنی کے اشعار زندگی سے بہت قریب ہیں، زندگی کے نشیب و فراز، آلام و مصائب کی داستان اس کے اشعار میں ملتی ہیں۔ وہ زندگی اور بنی نوع انسان کے مسائل پر نہایت سنجیدگی سے غور کرتا ہے طبیعتاً بڑا احساس ہے، بعد میں اس کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ زندگی سے بیزار رہنے لگا، گردش روزگار نے اس کی زندگی اجیرن کر ڈالی[2]

عربی شعراء کے دو گروہ پائے جاتے ہیں ایک انگریزی ادب کا رسیا اور دوسرا فرانسیسی ادب کا دلدادہ۔ مازنی انگریزی ادب سے متاثر تھا[3]

شعر کے متعلق مازنی کا خیال ہے کہ وہ دل میں مستقل حرکت کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ خروج کی سبیل تلاش کرے اس کا مطلب یہ ہے کہ شعر بالارادہ نہیں کہا جاتا نہ ہی تاریخ کے کسی موضوع پر اور نہ معاصرین کی زندگی پر بلکہ یہ تو ایک کیفیت ہوتی

---

[1] ڈاکٹر محمد مندور، محاضرات عن ابراہیم المازنی، جامعۃ الدول العربیۃ معہد الدراسات العربیۃ العالیۃ، ص ۳۸

[2] حوالہ سابق ص ۱۵۔

۳۔ ڈاکٹر ماہر حسن فہمی، تطور الشعر العربی الحدیث فی مصر، مکتبۃ نہضۃ مصر بالفجالۃ ۱۸ شارع کامل صدقی ص ۱۵۱۔

ہے جس میں شعر ڈھلتے رہتے ہیں۔[1]

ایک شاعر تمام جذبات وخیالات اور افکار و احساسات کو سمیٹنے سے قاصر ہے، مازنی کہتا ہے کہ شعراء کو قناعت سے کام لینا چاہیئے، وہ کہتا ہے کہ شاعر عواطف وجذبات سے کام لیتا ہے اس کے یہاں عقل ثانوی درجہ رکھتی ہے۔ شاعر جذبات کے سہارے رکتا اور حرکت میں آتا ہے۔[2]

مازنی کا کہنا ہے کہ احساسات کی ترجمانی کا نام شعر ہے۔ آدمی ہر طرح کے چھوٹے بڑے واقعات کا سامنا کرتا ہے۔ مازنی نے اپنے سارے واقعات کو بیان کرتا ہے۔ کچھ باتوں میں کچھ خیالات میں اور کچھ داستان گوئی میں۔ اس کے فلسفۂ حیات کو سمجھنا ہو تو اس کے بیان کردہ واقعات پر ایک نظر ڈالیں۔ اپنے واقعات پر بھرپور روشنی ڈالتا ہے۔ ہر ایک کا نتیجہ بھی پیش کرتا ہے۔ ان چیزوں سے مازنی کی فطرت وطبیعت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے، اس کی طرز تحریر اور خیالات بآسانی سمجھے جا سکتے ہیں۔[3]

اپنے دور کے بارے میں مازنی کا کہنا ہے کہ آلام ومصائب اور کرب ودرد کا زمانہ ہے اضطراب ومایوسی کے سوا کچھ نہیں، دل ٹوٹ گیا، محفل اجاڑ ہو گئی۔ عالم سیاست پر تاریکی چھا گئی، شک وشبہات کی زندگیاں بیتا رہے ہیں، ہمیں سایۂ محبت اور شعر محبت کی سخت ضرورت ہے۔[4]

---

[1] نعمات احمد فواد، ادب المازنی، مطبعۃ دار الھنا لشارع الصمامۃ بیولاق ۱۹۵۴ء ص ۹۳-۹۴۔

[2] حوالہ سابق ص ۹۵

[3] ڈاکٹر محمد مندور، محاضرات، عن ابراہیم المازنی، جامعۃ الدول العربیہ معہد الدراسات العربیہ ص ۱۵۔

[4] حوالہ سابق ص ۲۵۔

انگریزی کے کچھ ایسے قصائد ہیں کہ جن کا خاص رنگ اس کی شاعری میں جھلکتا ہے۔ مثلاً "الوردة الذابلة" اس میں مازنی نے "Golden Theasury" یہ کتاب کئی انگریزی نظموں پر مشتمل ہے [1]۔

مازنی کے باب میں لوگوں کی الگ الگ رائیں ہیں عقاد کا کہنا ہے کہ مازنی اپنی نثر کے مقابلے میں شاعر اچھا ہے۔ استاذ عبد السمیع مصری کا خیال ہے کہ وہ شاعری میں اپنی خیالات کی بخوبی ترجمانی نہیں کر پاتا وہ بہت سی باتیں بہت بھونڈے انداز میں کہتا ہے [2]۔

مازنی کے اشعار پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے اشعار میں غنائیت ہوتی ہے تمثیلات کم ہوتی ہیں۔ جذبات میں صداقت ہوتی ہے اور حقائق کی ترجمانی۔ وہ سلاطین کے حوارین کی تعریفیں نہیں کرتا ہے بلکہ وہ اُمرا و سلاطین کے مظالم پر واویلا مچاتا ہے، انسانی درد میں شامل ہونا اور اُن کی خوشیوں پر خوش ہونا اس کا خاصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مازنی کو شوقی، حافظ اور مطران کی صف میں نہیں کھڑا کیا جا سکتا۔ اس کی شخصیت مسلم ہے۔ اسے جدید شعرا کی صف میں شمار کیا جاتا ہے [3]۔ مازنی کے دیوان میں اس کی اپنی ذات جھلکتی ہے، وہ اپنے اندر کے حوادث شعروں میں پروتا ہے [4]۔

عقاد اور مازنی ——— عقاد نے مازنی کے انتقال پر بڑا ہی پُر درد

---

[1] نعمات احمد فواد، ادب المازنی، مطبعة دار الهنا بشارع الصحافة بولاق ۱۹۵۴ء ص ۹۹---۱۰۰۔

[2] حوالہ سابق ص ۱۱۱-۱۱۲ -

[3] حوالہ سابق ص ۱۱۴ -

[4] ڈاکٹر محمد مندور، محاضرات عن ابراہیم المازنی، جامعة الدول العربية معهد الدراسات العربية العالية ص ۳۷ -

اور پھر طال مرثیہ کہا تھا، یہ تقلیدی مرثیہ نہیں ہے بلکہ اس میں اس نے اپنے جذبات کو نہایت دیانتداری کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس میں مازنی کے مناقب گنائے گئے ہیں اور کہا کہ آسمان تری لحد پر شبنم افشانی کرے۔ مازنی نے بھی بہت سے مرثیے کہے ہیں لیکن اس نے صداقت کا دامن ہاتھوں سے نہیں چھوڑا۔ وہی کہا جو کہ اس نے میت کی ذات میں محسوس کیا۔ عقاد کے مرثیہ میں فصاحت و بلاغت کے علی الرغم جذبات کی صحیح عکاسی ہے۔

وقالوا المازنی قضی "فضلت - مقاصد قولهم دل رشدی
کان حدمت مازعموا خیال - بعد فی الحقیقة ای بعد[1]

عقاد اور مازنی کے مابین تعارف ۱۹۱۱ء میں ہوا، جس وقت عقاد "الدستور" اخبار میں لکھ رہا تھا۔ مازنی دستور کے دفتر جا کر اس کے کارندوں سے ملتا رہا۔ مازنی اس کا خریدار بھی تھا کیونکہ عقاد کے مضامین کا وہ بڑا ہی دلدادہ تھا۔ مازنی کی عقاد سے شناسائی نہ ہونے کے باوجود بھی عقاد کے مضامین نہایت دلچسپی سے پڑھتا۔ اس وقت عقاد فارسی ادب اور فارسی شاعری پر ۔ لکھ رہا تھا۔ مازنی اور عقاد "البیان" میں ساتھ ساتھ لکھتے تھے اس طرح دونوں کا تعارف ہوا۔[2]

"البیان" ایک اکیڈمی تھی جہاں اساتذۂ ادب عربی ملاقاتیں کیا کرتے تھے مثلاً السائحی، الصادق حسین، عباس حافظ، علی ادھم، طٰہٰ حسین، عبدالرحمٰن شکری، عقاد اور مازنی روزانہ شام کو وہاں بیٹھا کرتے، مازنی عقاد سے اس وقت ملا جو تا جب کہ ان کو وقت آجاتا۔

---

[1] نعمات احمد فواد، ادب المازنی، مطبعة دار الهنا بشارع الصحافة بیروت ۱۹۵۴ء ص ۷۳۔
[2] حوالہ سابق ص ۷۱ - ۷۲
[3] حوالہ سابق ص ۷۱ -